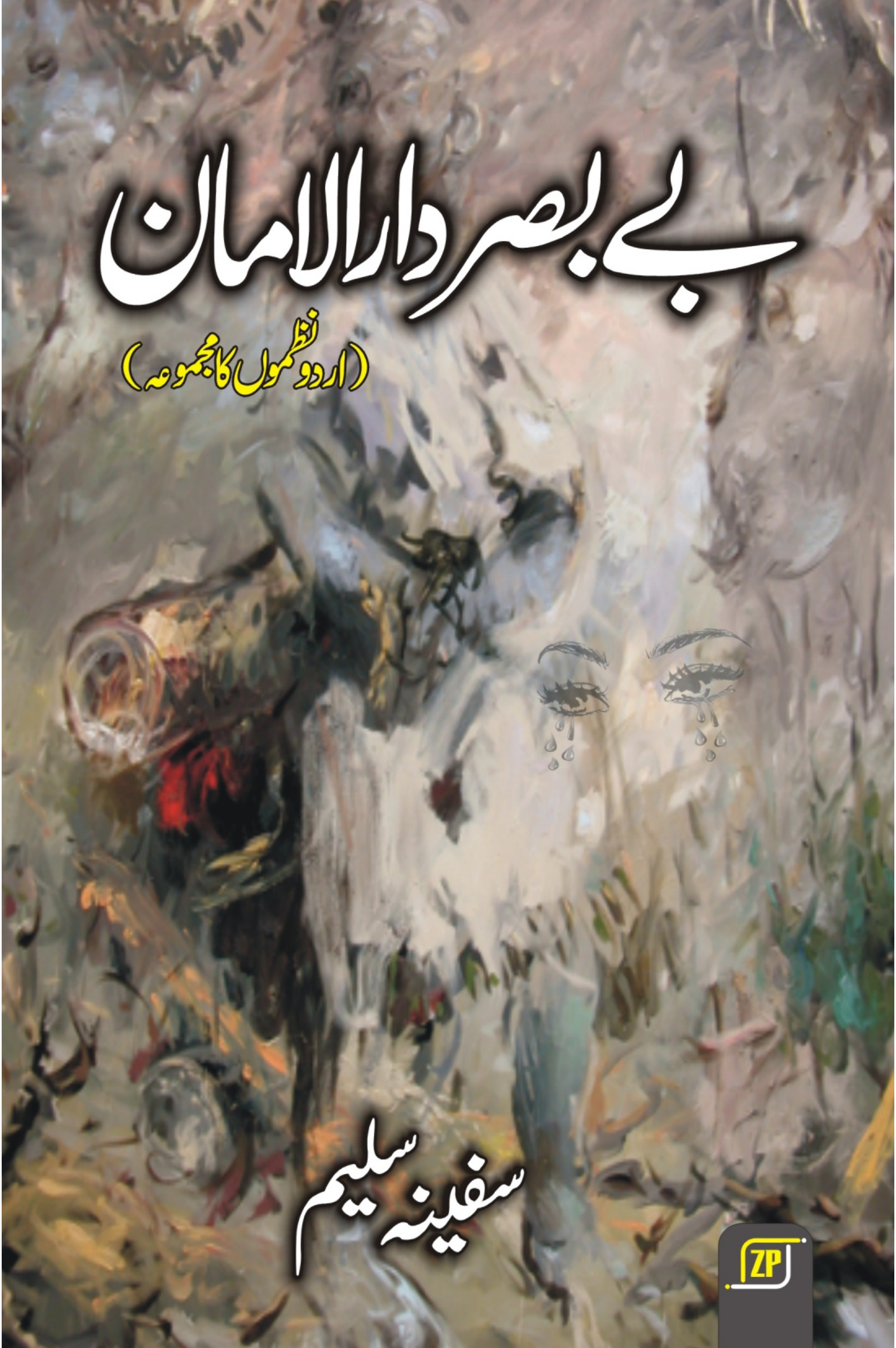


بے بصر دارالامان

(اردو نظموں کا مجموعہ)

سفینہ سلیم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے

بے بصر دار الامان

اردو نظموں کا مجموعہ

سفینہ سلیم

زوہیب پبلشرز
zohaibpublishers21@gmail.com
0300 7857987 / 0302 5878787

ISBN # 978-627-7802-03-5

نام کتاب: بے بصر دار الامان (اردو نظموں کا مجموعہ)

نام شاعرہ: سفینہ سلیم

تزئین و اہتمام: اعظم سہیل ہارونؔ

حُسنِ ترتیب: شہزاد نیرؔ

ٹائیٹل: علی حسن زیدی

کمپوزنگ: ایم اے سہیل

سن اشاعت: نومبر 2024ء

مطبع: ''زیدی'' ڈیجیٹل پرنٹنگ، فیصل آباد

ناشر: زوہیب پبلشرز حاصل پور/ فیصل آباد/ لاہور

قیمت: 800 روپے

بیرونِ ممالک: 10 امریکی ڈالر / 10 سعودی ریال

اِنتساب

میرا سرمایۂ حیات

میری بہنوں

کے نام

جن کی محبت نے مجھے

کبھی گرنے دیا نہ کمزور ہونے دیا

جن کا وجود

والدین کے وجود کا احساس دلاتا ہے

فہرست

●○●○●○●

پیش لفظ

دنیا میں انسان اللہ تعالیٰ کی شاندار اور خوبصورت عقل وشعور والی حقیقت ہے اور اس حقیقت میں ان گنت راز پنہاں ہیں۔ جو صرف اسے بنانے والا ہی جانتا ہے لیکن یہ شاندار تخلیق مختلف مسائل کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے۔ آج کے دَور میں انسان کے سامنے دردناک صورتحال محوِ رقص ہے۔ انسان تو ہیں مگر انسانیت شاید کہیں نظر نہ آنے والی طلسمی چادر اوڑھ کر سو گئی ہے۔ معاشرتی اور ذاتی طور پر انسان کو اپنی زندگی میں بے شمار مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ کبھی اس کی حالت پست ہوتی ہے تو کبھی یہ بلندیوں کو چھوتا دکھائی دیتا ہے۔ یہ بلندی و پستی کا سفر انسان کی محنت، لگن اور عزم کا عکس ہوتا ہے۔ پستی کے دَور میں انسان کو کئی مشکلات کا سامنا رہتا ہے۔ ان مشکلات کی بھٹی میں انسان بعض اوقات اپنا اعتماد بھی کھو دیتا ہے۔ بعض اوقات وہ اپنا احتساب کرنے کی کوشش بھی کرتا ہے تاکہ بہتر سے بہترین کی طرف سفر کر سکے۔ یہ احتساب انسان کی ترقی کے لیے اس کی زندگی کا اہم جزو ہے جو ہمیں ہماری صلاحیتوں کو پرکھنے، کامیابیوں سے خود اعتمادی حاصل کرنے اور ناکامیوں سے سیکھنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ انسان کا اپنا سب سے مشکل احتساب تب ہوتا ہے جب اسے اپنی معاشرتی اور اخلاقی ذمہ داریوں کا احساس ہونے لگتا ہے اور وہ صحیح اور غلط کے درمیانی فرق کو جاننے کی کوشش کرتا ہے۔ آج کے مادیت پرستی کے دَور میں ہم جہاں معاشرتی لحاظ سے بہت سے مسائل کا شکار ہیں وہاں ذاتی طور اپنے نفسیاتی مسائل میں بھی الجھے ہوئے ہیں۔ احساسات، محبت اور عبادت صرف الفاظ کی حد تک محدود ہیں۔ یہ دنیا انسان کے لیے عارضی پناہ گاہ ہے جہاں کے مسائل مختلف چہروں کے ساتھ ہمارے سامنے زندگیوں سے کھیلتے ہیں جن میں بھوک،

افلاس، بے روزگاری، بدعنوانی، اقربا پروری، انصاف کی عدم موجودگی، قانون کی پامالی، عصمتوں کا استحصال، خوف و ہراس، رشتوں میں تناؤ، بداعتمادی اور ان جیسے بہت سے دیگر مسائل نے بنی نوع انسان کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ میری کتاب ’’بے بصر دارالامان‘‘ نثری نظموں کا مجموعہ ہے گو کہ ایک مخصوص حلقۂ ادب میں ایسی نثری تخلیقات کو شاعری نہیں سمجھا جاتا پھر بھی میں نے اپنے احساسات کو انسانی زندگی سے وابستہ مذکورہ مسائل قلمبند کرنے کی ادنیٰ کوشش کی ہے۔ دنیا انسان کے لیے دارالامان ہے، جہاں آنکھیں ہونے کے باوجود ہم بے بصر ہیں۔ کیونکہ ہمیں دوسروں کے دکھ اور مسائل نظر آتے ہوئے بھی نظر نہیں آتے یا پھر ہم انہیں دیکھ کر بھی دیکھنا نہیں چاہتے۔ امید واثق ہے کہ کتاب پڑھنے کے بعد آپ حوصلہ افزائی فرمائیں گے۔

دعائیں والسلام

طالب دعا خاکسار

سفینہ سلیم

’’بے بصر دارُالامان‘‘ کی دیدہ و بینا قلم کار

اُنیسویں صدی عیسوی کی آخری دہائی میں اردو نظم کی صنف انگریزی کے اثر سے پیدا ہوئی، جو آہستہ آہستہ سفر طے کرتی ہوئی ہمارے یہاں آ پہنچی اور پوری طرح قائم ہوگئی۔ نثری نظم کا سلسلہ میرا جی اور ن م راشد سے ہوتا ہوا پروین شاکر اور فاخرہ بتول تک جا پہنچا۔ تاہم دورِ حاضر میں بھی نثری نظم کہنے والے بہت سے شعرائے کرام موجود ہیں جن میں ایک نمایاں نام سفینہ سلیم ایڈووکیٹ کا بھی ہے۔ وہ سینئر قانون دان ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بسیار نویس قلم کار بھی ہیں۔ وہ پاکستان کے نسائی ادب کا ایک درخشندہ ستارہ ہیں۔ ان کی شاعری میں نسوانیت کے تمام رنگ موجود ہیں۔ وہ ایک عرصہ سے فروغ ادب کیلئے کوشاں ہیں۔ زیرِ نظر مجموعہ کلام ’’بے بصر دارالامان‘‘ ان کی نثری نظموں کا مجموعہ ہے جس میں ان کی کئی نمائندہ نظمیں شامل ہیں جن کے موضوعات بہت دلکش اور متاثر کن ہیں۔ ان کی نظمیہ شاعری میں احساسات، محسوسات اور مشاہدات کی جھلک نظر آتی ہے۔ ان کی مشاقی اُن کی پختہ فن کاری کا پتہ دیتی ہے۔

قارئین نظم نگاری ایک ایسا فن ہے کہ جس میں فن کار اشعار کو ترتیب دینے کی ہنرمندی کا مظاہرہ کرتا ہے جس کا مقصد صرف اور صرف آثار کو زیبا و بہتر بنانا ہوتا ہے اور سفینہ سلیم کی شاعری میں یہ عنصر بدرجہ اتم موجود ہے۔ اسی ضمن میں ان کی ایک نظم ’’شام کا منظر‘‘ کے اقتباس ملاحظہ کیجئے:

دھندلائی ہوئی شام کے منظر میں
ساتھ چلے تھے جذبے اور کچھ سپنے

گھنیری گھور گھٹاؤں میں
شام کا منظر کالا تھا
وہاں اک شمع جلائی تھی
پھر ہوا بھی اڑتی آئی تھی
سمجھوتہ کیسے کرتی وہ
پرائے دیس سے آئی تھی

سفینہ سلیم کو جاناں سے شکوے تو بہت ہیں مگر ان کا طرہ امتیاز یہ ہے کہ وہ اپنے محبوب سے شکایت کرتے سمے بھی تلخ لہجہ نہیں اپناتیں بلکہ ادب و آداب کو ملحوظ خاطر رکھتی ہیں اور کبھی اسے یارِ من تو کبھی شاہِ من اور سلطانِ من کے لقب سے پکارتی ہیں۔اسی تناظر میں ان کی ایک نظم ''سنو جاناں'' سے اقتباس ملاحظہ کیجئے:

روحِ من، جنابِ من
یارِ من، شاہِ من
سلطانِ من، امیرِ من
سنو جانم!
تیری کمی اس شدت سے ہے کہ
لاکھ رونقیں ہیں مگر پھر بھی
تیرے بغیر مجھے
اپنا پہلو ویران لگتا ہے

وہ اپنے اِرد گرد کے ماحول میں محبت جیسے پاکیزہ رشتہ کو پامال ہوتے دیکھتی ہیں تو بے ساختہ کہہ اُٹھتی ہیں کہ:

دم گھٹتا ہے
محبت میں اتنی منافقت؟

چھوڑ دو اب دم گھٹتا ہے
سانسوں کا جذبوں کا
نیندوں کا اور خوابوں کا

سفینہ سلیم کی نظموں میں مقصد، موضوع، اور انسانی احساسات کا اظہار شامل ہوتا ہے۔ وہ اپنے اردگرد معاشرے میں جو کچھ دیکھتی اور محسوس کرتی ہیں اسے لفظوں کے روپ میں صفحۂ قرطاس کی نذر کر دیتی ہیں۔ وہ ایک ایسی شاعرہ ہیں جو گماں کے دھاگے سے اپنے دل کو دلِ محبوب کے ساتھ باندھ کر اپنا جیون گزارنا چاہتی ہیں۔ مثلاً:

جو تیرے میرے درمیاں بہت لمبی ہے
وہ اک ایسی اذیت ہے
جسے نہ کاٹ سکتے ہیں جسے نہ ناپ سکتے ہیں
جو راکھ ہو کر بھی راکھ نہیں ہے
سنو! ایسا کرو جانم
کہ گماں کے کچے دھاگے سے
تم اپنا اور میرا دل باندھ دو

سفینہ سلیم کی نظمیں سادہ اور سلیس اردو میں ہوتی ہیں جو پڑھنے اور سننے والے (دونوں) کو اپنے سحر میں گرفتار کر لیتی ہیں اور وہ داد دینے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ ''بے بصر دارالامان'' ان کی فکری اختراع کا مجموعہ ہے جس کی اشاعت وطباعت پر میں انہیں مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ میری دُعا ہے کہ خالق اکبر ان کی توفیقات میں مزید اضافہ فرمائے۔ (آمین)

سید مبارک علی شمسی
(قومی وصدارتی وصوبائی سیرت ایوارڈ یافتہ)

سفینہ سلیم کی نظم نگاری

سفینہ سلیم کی اردو نظموں کا مجموعہ ''بے بصر دارالامان'' کا مسودہ میری نظروں کے سامنے ہے۔جس میں ان کی نہایت ہی پُر تاثیر اور شاہکار نثری نظمیں شامل ہیں جو منفرد ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی مثال آپ ہیں، جنہیں پڑھ کر مطالعہ کی تشنگی دور ہو جاتی ہے اور دل عش عش کر اٹھتا ہے۔انہوں نے اپنی شاعری میں سادہ اور سلیس زبان کا استعمال کر کے اسے ہر سطح اور ہر عمر کے قاری کے لیے آسان بنا دیا ہے۔ان کی نظموں میں کشش، رومانیت، سلاست، روانی اور جدت یکساں موجود ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری قارئین میں بہت مقبول ہے اور وہ ان کا کلام پڑھ کر اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔اسی ضمن میں ان کی نظم ''مٹی کی مورت'' سے اقتباس ملاحظہ کیجیے:

میں چاک پہ رکھی مٹی
جس کی بنتی مورت میں
دھڑکتے دل کی محبت کو
عشق سمجھنے والوں کی بھیڑ میں
ادھورے چہروں کے نقش مکمل کرتے ہوئے
خام محبت کے پیالے کو تھامتے ہوئے
کسی انجانی سرد آگ کی تپش میں جلتی
لہولہو انگلیاں

سفینہ سلیم کی نظموں میں غمِ دوراں، غمِ جاناں اور غمِ ہجراں کے علاوہ ایسے تمام

موضوعات موجود ہیں جو ایک اچھے تخلیق کار کے فن کا خاصہ ہوتے ہیں۔ مثلاً ان کی ایک نظم ’’ذات کا ہجر‘‘ دیکھئے:

اپنے اندر کی گہرائیاں ماپنے
اور اونچائیاں سر کرنے کی کوشش میں
میرے سانس کی گرمی
میرے اندر جمی کچھ
یادوں کو پگھلا دیتی ہے
پگھلی یادیں پانی بن کر
آنکھوں کی دہلیز
پار کرنے کی کوشش میں
میرے رخسار روشن کر دیتی ہیں

وہ حقیقت پسند شاعرہ ہیں اور روزمرہ زندگی کے ہر شعبے میں حق گوئی کی قائل ہیں مگر جب وہ اپنے اردگرد کے ماحول میں چاہتوں کے نام پر دھوکہ دہی اور جھوٹ فریب دیکھتی ہیں تو بے ساختہ کہہ اٹھتی ہیں کہ:

محبت میں اتنی منافقت؟
چھوڑ دو اب
دم گھٹتا ہے
سانسوں کا
جذبوں کا
نیندوں کا
اور خوابوں کا

سفینہ سلیم سینئر قانون دان ہیں اور قانونی پند و نصائح بھی ان کے کلام میں جا بجا موجود ہیں۔ میں بے بصر دارالامان کی اشاعت پر انہیں دِلی مبارکباد پیش کرتا ہوں اور ان کی مزید کامیابی و کامرانی کے لیے دُعا گو ہوں۔

اعظم سہیل ہارون

(گولڈ میڈلسٹ)

حاصل پور (بہاول پور)

دھیمی آگ کی شاعری

بات جب تخلیق کی آتی ہے تو اس کے مراحل جو کہ تخلیق کار پر غیر یکساں طور پر کھلتے ہیں کا معنوی پیرایہ تبدیل ہو کر رہ جاتا ہے۔ خیال جس قدر آپ کے شعور اور لاشعور کے ساتھ وقت آمیز رگڑ کھاتا ہے اس کا خام مال اس قدر تخلیقیت سے بھرپور ہو کر منظر نگاری کے خاکے میں لکیروں اور خراشوں سے ابلاغ بھرتا رہتا ہے۔ اب یہ بھی ممکن نہیں کہ جو خیال آپ سے بغلگیر ہوتا ہے اس کو آپ من و عن شعریت میں ڈھال پائیں۔ ایسا ہونا قریباً ناممکنات میں سے ہے۔ کہیں دھیان، کہیں اہتمام، کہیں لفظی صلاحیتوں، کہیں مرکزیت، کہیں اسرار سے پُر اسراریت، کہیں چونکانے کی عمل انگیزی، کہیں پنچ لائن، کہیں نامیاتی وحدت اور کہیں عنوان سے تال میل کی تگ و دو میں کوئی نہ کوئی کمی رہ ہی جاتی ہے جسے شعوری اور لاشعوری دونوں سطحوں کا نام دیا جا سکتا ہے۔

عورت کو خدائے متعال نے ایک لازوال تخلیقی صلاحیت سے نوازا ہے۔ زندگی کی تخلیق سے بڑھ کر اظہار میں کفیل ہونے کی قوّت اور کون سا تجربہ دے سکتا ہے۔ پچھلے چار ہفتوں سے زائد وقت میں نے سفینہ سلیم کے پراگے ''بے بصر دارالامان'' کے ساتھ نہایت دلجمعی اور گہما گہمی سے گزارے ہیں۔ ان کی نظم کہنے کا رویہ نہایت خالص اور توجہ کھینچتا ہوا ہے۔ ایک منفرد نسائی لحن جس میں جنس کا غلبہ نہ ہونے کے برابر دکھائی دیتا ہے۔ وہ نسائی باطن کو بین الاثرات اور کثیر جہتی زاویوں سے منظّم کر کے سامنے لانے کی عادی ہیں ان کے ہاں شخصی، غیر شخصی، وجودی اور تاثراتی تجربات انسانی رشتوں کے انسلاکات اور امکانات کے طور پر جمالیاتی صورت گری، جذباتی اظہاریوں کی ترجمانی اور زمینی ترجیحات کا منظر نامہ پیش کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

ان کی نظم کا حلیہ سرگوشیوں کی ترتیب، آوازے کے انصرام اور بات کے قاعدے سے ہوتا ہوا تمثال، امیج اور استعارے کی بلند نہج تک پہنچتا ہے۔"بے بصر دارالامان" کی بہت سی نظمیں شعوری اٹھان، دھیمی آگ، خاموش و متعوب، فی الخارج بیرونیت کے زیر اثر فکری معنی آفرینی اور منفرد لہجے کی بدولت آپ سے براہ راست مکالمہ کرتی نظر آئیں گی۔

موجودہ شعری منظر نامہ لفظی دھوم دھام تجرید اور تجسیم کے بھیمانہ رنگ وروغن اور بے مطلب کے ابہام کے زیر اثر ہے جبکہ سفینہ سلیم کی نظم آپ سے تفکیری نظریات، ثقافتی رجحانات، وجودی مسائل، باطنی اشکال، شعوری تشکیلات، وحدت و جودت، نامیاتی کُل، متنوع تمثال نگاری، معنوی آمیزش، روزمرّہ کے عوامل، انسانی شناخت اور احساسی ارتفاع کے حوالوں سے متکلم ہوگی اور آپ کو محسوس ہوگا کہ اس کا حوالہ عورت کا حوالہ نہیں، اس کا دکھ عورت کا دکھ نہیں اس کا مسئلہ عورت کا مسئلہ نہیں بلکہ اس کا حوالہ، دکھ اور مسئلہ انسان کا ہے۔

اب آخر پہ اپنی بات کے اختتامی حصے پر"بے بصر دارالامان" کے مطالعے سے ایک خصوصی نتیجہ بتاتا چلوں کہ ان نظموں میں "ارفعیت" کا عنصر موجود ہے جو شاعری کا جوہر کہلاتا ہے یعنی اب ان کی قرأت سے اجنبیت، تھکاوٹ، اکتاہٹ یا غیر شعری ذائقے کی طرف ہرگز نہیں جائیں گے اور یہی سفینہ سلیم کی نظم کی کامیابی ہے۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ یہ مجموعہ سنجیدہ حلقوں میں سفینہ سلیم کے نام اور ادبی سفر کو اعتبار بخشنے میں کامیاب رہے گا۔ میں خندہ پیشانی سے اس نظمیہ مجموعہ کو ادبی منظر نامے پر خوش آمدید کہتا ہوں۔

گل جہان

خوشاب

ٹھنڈی پھوہار جیسی شاعری

سفینہ کی شاعری کا شمار اردو ادب کے اُن نایاب موتیوں میں ہوتا ہے جو انسانی جذبات اور حالاتِ زندگی کے گہرے پہلوؤں کو انتہائی ہنرمندانہ اور حساس انداز میں بیان کرتی ہیں۔ ان کی کتاب "بے بصر دارالامان "میں زندگی کی تلخ حقیقتوں، ناانصافی کے زیر سایہ پنپتی مایوسی، اور معاشرتی زوال کی گہرائیوں کو بیان کیا گی ہے۔ شاعرہ کی یہ نظم محض لفظوں کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک پیغام اور عکاسی ہے کہ انسانیت کس طرح ظاہری خوشیوں کے پیچھے چھپی دکھوں کی داستانوں سے ناواقف ہے اور معاشرتی اقدار کی بربادی کا حصہ بنتی جارہی ہے۔ موجودہ دور کا انسان جس طرح مادی خواہشات کے پیچھے بھاگ رہا ہے اور خود کو ہلاکت میں ڈالے ہوئے ہے ایسے میں انسان کو روحانی سکون کی طرف راغب کرنا اور خلوص و محبت وفا کے نغمے بکھیرنا یقینی طور پر اِس دور کے انسان کے رویوں میں تبدیلی لانے کا موجب بن سکتا ہے۔ یقینی طور پر شاعرہ بہت حساس ہیں اُن کا حساس دل معاشرئے میں انسانی ناقدری پر کڑھتا ہے۔ انسان کو اُس کی حقیقت سے آشنا ہونے کے لیے جو خود کا سبق وہ بھلا بیٹھا ہے وہ اُسے یاد کروایا جارہا ہے۔ انسان کے اندر سے اگر جذبات، احساسات نکال دیئے جائیں تو پھر تو وہ روبوٹ بن جاتا ہے۔ اِس لیے سفینہ نے اِس مشینی زندگی سے جس طرح بے زاری کا اظہار کیا ہے اور انسان کو جس طرح محبت، خلوص وفا کا فراموش کردہ سبق یاد کروایا ہے یہ اِس امر کی یقین دہانی ہے کہ انسان کہ بے چینی اور پریشانیوں کا حل روحانی خوشی کے حصول میں ہے۔

سفینہ کی شاعری کے الفاظ ہمیں اُس درد میں شریک کرتے ہیں جس کا سامنا معاشرہ کرتا ہے، مگر اکثر اسے بیان کرنے سے قاصر رہتا ہے۔ ان کی نظم کا آغاز اُس کیفیت

سے ہوتا ہے جہاں شاعرہ چند سانسوں کی امانت لیے محبت سے عاری جذبوں کو دفنانے کا ذکر کرتی ہیں۔ یہ الفاظ ہمیں معاشرتی بے حسی اور تعلقات کی خالصیت سے عاری ہو جانے کا احساس دلاتے ہیں، جو آج کے دور میں عموماً دکھائی دیتا ہے۔ شاعرہ اس بے حسی کو معاشرتی بے بصری کی علامت قرار دیتی ہیں، جو معاشرتی انصاف کی عدم موجودگی اور امید کی کمی کی تصویر پیش کرتی ہے۔ سفینہ، خیالات کی حسین پوشاک پہنے، صبح کی پہلی پھوہار میں اپنے شعور اور وجدان کے دریچوں کو کھلتے دیکھتی ہیں، جس سے ایک اندرونی سکون اور روحانی آسودگی کا عکس جھلکتا ہے۔ اس حصے میں سفینہ اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ انسان کی اپنی ذات اور اُس کے اندرونی احساسات ہی اُس کی اصل پناہ گاہ ہیں۔ اس خیال میں وہ ہمیں ایک ایسے پیغام کی طرف لے جاتی ہیں جو انسان کو خودی اور خالص جذبوں کی پہچان کی طرف مائل کرتا ہے۔ سفینہ کے کلام میں دنیا کے بے بصر دارالامان کو بیان کیا گیا ہے، جس میں انصاف کی لاش پر گونجتی خاموشی اور اداسی ایک ناامیدی کا صحرا پیدا کرتی ہے۔ اس منظر کشی میں صفینہ نے موجودہ دور کے معاشرتی ڈھانچے کو انتہائی فنکارانہ انداز میں قلم بند کیا ہے جہاں لوگوں کے آہیں فلک کو تو سنائی دیتی ہیں مگر زمین پر بکھرے انسان اس سے بے نیاز ہیں۔ یہ اشارہ ہے کہ انسانی ضمیر اور انصاف کی آواز دم توڑ چکی ہے اور اس کی جگہ ایک بے حس معاشرتی نظام نے لے لی ہے۔

سفینہ اپنے کلام میں لوگوں کی اس الجھن کا ذکر کرتی ہیں جو اپنی خودداری سے خود آگاہی کی جانب سفر طے کرتے ہیں اور خوشیوں کی تلاش میں مایوسیوں کے صندوقچہ کو صبر کے سمندر میں ڈالتے ہیں۔ شاعرہ نے یہاں ایک مثبت پیغام دیا ہے کہ مایوسی کو صبر کے سمندر میں دفن کر کے انسان خوشی اور اطمینان کی طرف بڑھ سکتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ ہر نفس اپنے کندھوں پر لمحات کا بوجھ اٹھا کر، رات کی تنہائی اور اداسی میں خوشی کے خواب ڈھونڈنے کی کوشش کرتا ہے۔

سفینہ انسانی فطرت اور معاشرتی زوال کے اُس پہلو کو بیان کرتی ہیں جہاں حسین

آنکھوں والے لوگ حسین خواب لے کر دنیا کے دارالامان میں بے اماں دیمک زدہ پیڑ کی طرح گرنے کو ہیں۔شاعرہ کے یہ الفاظ نہ صرف افسوس بلکہ انسانیت کی بربادی اوراس کے انجام کی طرف اشارہ ہیں کہ اگر ہم نے اپنی قدروں اور احساسات کو مزید دیمک زدہ ہونے دیا تو ہم اپنی بنیادوں سے محروم ہو جائیں گے۔

سفینہ کی شاعری میں گہرے خیالات، احساسات اور معاشرتی زوال کی داستان ہمیں اس بات کی طرف متوجہ کرتی ہے کہ ہماری بقا اور خوشیوں کا دارومدار ہمارے اندر کی خوبصورتی اور انصاف پر مبنی احساسات پر ہے۔ شاعرہ نے نہایت خوبصورتی سے ان خیالات کو لفظوں کا روپ دیا ہے، جو اردو شاعری کے لیے ایک قیمتی اضافہ ہیں اور قاری کو سوچنے پر مجبور کرتے ہیں۔

سفینہ کی شاعری صرف شاعری برائے شاعری نہیں ہے بلکہ ایک حساس دل کی وہ آواز ہے جو موجودہ دور کے انسان کو یہ باور کرواتی ہے کہ ہم مشین نہیں انسان ہیں بلکل گوشت پوست کے انسان ہیں اور ہمارے سینے میں ایک دل دھڑکتا ہے۔ ہر معاملے میں مادیت کو پیش نظر رکھنے کی وجہ سے انسان روحانی خوشی سے محروم ہو چکا ہے اور یہ وہ المیہ ہے جس کی طرف سفینہ نے ہماری توجہ دلائی ہے۔ سفینہ میری بہن ہونے کے ساتھ ساتھ میرے پیشے وکالت سے بھی تعلق رکھتی ہے اور ماہر قانون دان بھی ہے۔ اِس لیے ان کی جانب سے جن معاشرتی رویوں کی طرف توجہ دلوائی گئی ہے وہ آج کے انسان کا المیہ ہے۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ ہو۔(آمین)

صاحبزادہ میاں محمد اشرف عاصمی

لاہور پاکستان

مٹی کی مورت

میں چاک پہ رکھی مٹی
جس کی بنتی مورت
میں دھڑکتے دل کی
محبت کو عشق
سمجھنے والوں کی بھیڑ میں
ادھورے چہروں کے
نقش مکمل کرتے ہوئے
خام محبت کے پیالے کو تھامتے ہوئے
کسی انجانی سرد آگ
کی تپش میں جلتی
لہولہو انگلیاں
وقت کا دھاگہ پکڑے
مٹی کی ادھوری مورت
کے خواب بُننے کی کوشش میں

مگر خواب بُنیں تو
اس ادھوری مورت پہ
لگی ضربوں کی رفو گری
کے لیے
دھاگہ کم پڑتا ہے
خوابوں کی بُنائی
اور رفو گری میں
یہ دھاگہ نامکمل ہے
بالکل ویسے
جیسے چاک پہ رکھی مٹی کی مورت

○○○○○

چاندنی کا رقص

جب
خواب کا سفینہ
ساحل کے بازوؤں میں
سو گیا تھا
تو جانتے ہو کیا ہوا!
چاندنی لہروں پہ لہرانے لگی
اور
رات کی رنگینی نے
رقص کرنا چھوڑ دیا تھا

○○○○○

ذات کا ہجر

اپنے اندر کی گہرائیاں ماپنے اور اونچائیاں
سر کرنے کی کوشش میں
میرے سانس کی گرمی
میرے اندر جمی
کچھ یادوں کو پگھلا دیتی ہے
پگھلی یادیں پانی بن کر
آنکھوں کی دہلیز
پار کرنے کی کوشش میں
میرے رخسار روشن کر دیتی ہیں
اس روشنی کو چھپانے کی خاطر
میں اپنی ذات کے ہجر کے اندھیرے
میں چھپ جاتی ہوں

OOOOO

سائبان

پوشاک زدہ برہنہ اجسام
بارش کے قطروں
کی عریانی چھپانے کی خاطر
بادلوں نے کروٹ بدلی اور
اوٹ سے جھانکتا سورج
اک ایک کرن کو پھیلائے
زمین پر بکھرے زرد پتوں کو روشن کر رہا تھا
کچھ پرندوں کے مردہ اجسام
ان کے بکھرے پنکھ انسان کی بسی کی خاموش تصویر تھے
رنگ برنگے آنچل اڑاتی ہوا
ہجر و وصال کے قصے سنا رہی تھی
اور جھیل میں تیری فاختائیں
ایک دوسرے کی چونچ سے اپنے حصے

کا رزق لے رہی تھیں
سناٹا چھایا اور زوردار بادل گرجا
یوں لگا شام ہوئی
مگر وہ تو سائبان تھا
پوشاک زدہ برہنہ جسموں کو
ڈھانپنے کے لیے

○○○○○

عشق کیا ہے

رواں سانسوں
دھڑکتی دھڑکنوں
بتاؤ مجھے
عشق کیا ہے
جذبات کی مجذوبی
یا ایسا سوز جگر
جو لاعلاج ہوتا ہے
عشق میں گزرنے والا
ہر لمحہ یادگار ہوتا ہے
یا ہر لمحہ بار بار آتا ہے
اس میں امتحان کس کا ہوتا ہے
اس کی زد میں
آنے والے کے صبر کا

یا زمانے کے ظرف کا
بے نام اصولو
بتاؤ مجھے
یہ عشق کیا ہے
یہ زندگی لینے آتا ہے
یا جامِ حیات پلانے آتا ہے
یہ آتا ہے یا ہوتا ہے
یا جنم لیتا ہے
اس کی کھوکھ کہاں ہے؟
کس دہلیز پہ اُگتا ہے؟
یہ زہر ہے غم سے آشنائی کا
یا خوشیوں سے شناسائی کا
اے آنکھ کی روشنی تو بتا
یہ عشق کیا ہے؟
یہ کس کا کھویا جمال ہے؟
یہ ہجر یا وصال ہے
یا رنگ رنج و ملال ہے
یہ راحتِ جاں ہے
کہ سوزِ جاں ہے

یہ کس کھٹالی سے ڈھل کے آیا ہے
کس خانقاہ، مسجد یا مندر
سے نکالا گیا ہے
یا ٹھکرایا گیا ہے
جو ویراں دلوں میں آبسا ہے
آہو، سکھیو بتاؤ
تم تو اس کی سہیلیاں ہو
یہ عشق کیا ہے؟
کہاں سے آیا ہے؟
حقیقت ہے کہ مایا ہے؟

OOOOO

اے درد بتا تو سہی

اے درد بتا تو سہی
تیرا دامن وسیع کتنا ہے
کیا مجھے سمیٹ پاؤ گے
ہاں تو پھر رستہ دو
اپنے گھر میں آنے دو
اپنا آنگن تو دیکھاؤ ذرا
اے درد مجھے اپنے گھر کی
مہمان تو بننے دے
یہ کیا؟
تیرا گھر وسیع ہے بہت
تیرے صحن میں
خوابوں کے ٹکڑے پڑے ہیں
خواہشات کی لمبی سیڑھی پر

ایک ایک زینے پر
تو نے کئی ٹوٹے دل
کسی حسین دوشیزہ کی طرح
سجا رکھے ہیں
خوش رنگ لباسوں میں
تو نے ہجر وصال کو
ڈھانپ رکھا ہے
چھوٹے چھوٹے رِستے
زخموں کو اپنے آنگن میں تو نے
پھولوں کی طرح اگا رکھا ہے
جذبات واحساسات کی پھٹی اوڑھنی
میں پیوند لگا کر اس کا حسن
تو نے بڑھا دیا ہے
اے درد تو نے غصے
اور شکوے کو صبر کے
پتھر تلے دبا کر
عقل کو بحال کر دیا ہے
دلخراش لہجوں اور لفظوں کو تو نے
لاپرواہی کی چادر میں

ڈھانپ دیا ہے
تو نے شکوے اور شکوک سارے
یقین کے گلدان میں
رکھ دیئے ہیں
سب منظر اور نگاہوں کو
روشنی اور مشاہدوں کو
جستجو کی راہ پر رکھ کر
علم کا رستہ کھول دیا ہے
اے درد تیرا آنگن تیرا دامن
بہت وسیع ہے

○○○○○

جذبے مر گئے تھے

سب جذبے مر گئے تھے
جب پہلو میں بولتے
دل کو پتھر سمجھ کر توڑا گیا
من کی ساری
دیواریں ہل گئی تھیں
محبت کو الوداع کہہ کر
وہ کچھ تو کرنے والا تھا
یا خود کو پڑھنے والا تھا
کانپتے ہونٹ اور سرخ آنکھیں
صدیوں کی داستاں سنا رہی تھیں
اس کی انگلیوں کی پوروں سے
میرا چہرہ مکمل ہونے والا تھا

اس کی ادھوری باتوں سے
اور محبت کی نیم شدت سے
میرا چہرہ بھی نامکمل رہ گیا
بس اتنا مکمل یاد رہا
جب میری نیندوں سے
اس کو نکالا گیا
اس لمحے وہ میری راہ
میں چراغ جلانے والا تھا

OOOOO

نقطہ

یقین کے نون کا نقطہ لے کر
میں نے لفظ نماز لکھا تھا
نیت کی تسبیح کرنے لگی تو
من کا بت بوکھلایا تھا
اک سسکی بھر کر بیٹھ گئی
تو کون خیال میں آیا تھا
جو کہنے لگا میری بات تو سن
اٹھ سجدے میں تو سر رکھ لے
دو چار مجھ سے باتیں کر
کچھ اپنے راز بتا مجھ کو
اور حالِ دل سنا مجھ کو
کچھ ریت پر ریت کی مالا بُن

کچھ میرے میت کی بات تو کر
پھر آنکھوں کے سمندر سے
چند قطرے کھارے پانی کے
میرے گرد آلود چہرے کو
دھو کر دامن بھگو بیٹھے
پھر پڑھ کر سورۃ یٰسین کو
میں نے دل اپنا بہلایا تھا
میں نے خود کو خود میں پایا تھا

○○○○○

شام کا منظر

دھندلائی ہوئی
شام کے منظر میں
ساتھ چلے تھے
جذبے اور کچھ سپنے
گھنیری گھور گھٹاؤں میں
شام کا منظر کالا تھا
وہاں شمع اک جلائی تھی
پھر ہوا بھی اڑتی آئی تھی
سمجھوتہ کیسے کرتی وہ
پرائے دیس سے آئی تھی
اپاہج جذبے لے کر میں
سپنوں سے آنکھ ملاتی کیسے
دل بیچارا پہلو میں

تنہا سب کچھ دیکھ رہا تھا
اس کو میں بہلاتی کیسے
بہت اداس منظر تھا
منظر تھا کہ پتھر تھا
جو شام کا پہلو بن کر
جذبوں اور سپنوں کو کچل گیا تھا

OOOOO

دونوں پہلو میں دل

میری تھکن کے سارے
راز جانتا تھا
میری شریانوں میں
سرد خون کو گرمانے والا
وہ وفا کا پیکر کہاں ہے
سوچ کر دل کا بوجھ بڑھ جاتا ہے
اس دکھ کو کب سکھ آئے گا
ہر شام ہر صبح خیال آتا ہے
میرے راز مجھ سے
چھپانے والا
میری تنہائیاں بانٹنے والا
میری آنکھوں میں خود کو دیکھ
مسکرا کر گلے لگا کر مجھ کو

دور محبت کی وادی میں
لے جاتا تھا
سب لمحے جاگ جاتے تھے
کاش سورج غروب ہوتے ہی
شام ڈھلتے ہی آ جائے وہ
پھر سے گلے لگا کے کہے
دیکھو میرے ایک نہیں
دونوں پہلو میں دل ہے

OOOOO

وقت کی تال

وقت کی تال پہ ناچنے والو
وقت قید کرلو
یا اس کا مسخ شدہ چہرہ پڑھ لو
بے رحم ظالم
دوست و غمخوار بن کے
بہت چالیں چلتا ہے
کب ہاتھ کسی کے آتا ہے
سب کا پتہ رکھتا ہے
بے تاب روحوں کے بدن میں
دوڑنے والے خون کی موجوں میں
گرم شعلوں جیسی سانسوں کا شور
رات کی گھنیری تاریکی میں
کہیں روشنی کی اک ننھی کرن میں
اپنے بے جان جسم کا سایہ پا کر

بہت دور کسی سہانے خواب کی لڑی
جو آنسو بن کر بہہ نکلی تھی
صبر کا آنچل جھلملانے لگا
تو تخیل کی ساری گرہیں
کھلتے ہوئے دھیرے سے خون کی موجوں کو
ٹھنڈا کرنے لگیں تھیں
مگر تمام جذبوں پر
وقت کا اژدھا دانت گاڑھ چکا تھا

○○○○○

عجب وصل

سنو______!
آج دستک عجیب ہے
دروازہ تو کھولو
ہجر ہو تو
چوم کر
گلے لگا لینا
محبت ہوئی تو کہنا
ہم ہجر کے
وصل میں ہیں

○○○○○

سنو جاناں

روحِ من
جنابِ من
یارِ من
شاہِ من
سلطانِ من
امیرِ من سنو جانم
تیری کمی اس شدت سے ہے کہ لاکھ
رونقیں ہیں پھر تیرے بغیر
اپنا پہلو مجھے ویران لگتا ہے

○○○○○

دسمبر

سنو
دسمبر آ گیا ہے
دھوپ کی مٹھی
کھلنے اور بند ہونے کی
آنکھ مچولی کھیلے گی
عہد و پیماں بھی ہوں گے
جدائیاں بھی ہوں گی
کافی کے مگ سے نکلتا دھواں
اور
برف کی طرح سرد سانس کا دھواں
آپس میں تحلیل ہو کر
چاہتوں کا پیغام دیں گے
اور
خزاں زدہ خشک پتے

یادوں میں بندھی وقت کی پٹی
کھول ڈالیں گے
مگر اپنے بابا کی شہزادی
دسمبر کی سرد تلخی بھلا نہ پائے گی
خود کو بہلائے گی
سنبھل بھی پائے گی
مگر
اپنے بابا کی بند آنکھیں
اور
رُکی سانسیں کیسے بُھول پائے گی

○○○○○

مختصر

میرے شور میں
جاگتی میری خاموشی کی
دل سوز آواز
کی سسکیوں نے یاد دلا دیا
کہ میں نے اسے کہا تھا
میری خوشی کی خاطر بھی
مجھے کبھی تنہا نہیں کرنا
اور مختصر یہ کہ وہ
مجھے خوش دیکھنا ہی کب چاہتا تھا

○○○○○

دم گھٹتا ہے

محبت میں اتنی منافقت؟
چھوڑ دو اب
دم گھٹتا ہے
سانسوں کا
جذبوں کا
نیندوں کا
اور
خوابوں کا

○○○○○

وقت کی چال

چوراہے پر کھڑی
وفا
برہنہ پا
کچھ سوچ رہی ہے
جانے دو
کیا رکھا ہے
ان سوچوں میں
وقت کی چال بدلنے دو

○○○○○

نیا ملال

جانے کیوں
قسمت کی خزاں میں
خوابوں کے درختوں سے
چند
اجڑی تعبیروں کے زرد پتے چن لیے تھے
مگر
جذبات کی تیز آندھی چلی
اور
پیار کی دھند میں
سحر کے انتظار میں
بے چین بہار میں
جانے کیوں
اک لمحہ دل کو
نیا ملال دے گیا تھا

○○○○○

ہجر خریدنے والے

ہجر خریدنے والے
کہاں کسی کی سنتے ہیں
کسی انجان خیال کی لرزش سے
سینے میں دھک جو ہوتی ہے
اس کی انگلی تھام نکلتے ہیں
بے سدھ چلتے جاتے ہیں
رستے حیران ہو کر
انہیں دیکھتے ہیں تو
منزلیں بھی پریشان نظر آتی ہیں
اور سوچتی ہیں
انمول لوگ بے مول ہوئے
کیسے راہ کی دھول ہوئے
محبت مہنگی رکھتے ہیں
خود سستے ہو جاتے ہیں

یہ ہجر پالنے والے
اس مہنگے سستے سودے میں
زمیں آسمان بھی شامل ہیں
جب پہیہ وقت کا چلتا ہے
وہم وگماں ہل جاتے ہیں
کشتی اور پتوار میں جب
تکرار ہونے لگتی ہے تو
پانی بل کھاتا ہے
ہجر نبھانے والوں کو
کہانی نئی سناتا ہے
ہجر نبھانے والے بھی
عجب طبیعت ہوتے ہیں
کب الزام کسی کو دیتے ہیں
اپنی دھن میں رہتے ہیں
صبر کا زہر بھی پیتے ہیں
جس راہ بھی چلتے ہیں
اپنے پیارے لفظوں کا
امرت پھیلائے رکھتے ہیں
سرد لہجوں کی بھیڑ میں

عہد و پیمان کے گھنگرو پہنے
رقص کناں ہی رہتے ہیں
اسی موڑ میں رہتے ہیں
جہاں ان کو چھوڑا جاتا ہے
سودا سمجھے جاتے ہیں
مگر یہ ہجر خریدنے والے
بڑے سوداگر ہوتے ہیں

OOOOO

بھید

قربتوں کے بھید نرالے ہوتے ہیں
نہ چھپتے ہیں نہ سمٹتے ہیں
کسی لا علاج زخم کی طرح
کھلے رہتے ہیں
سینے کے اندر دھک دھک کی آواز
محسوس کرتے ہوئے
کبھی انجان کبھی نادان
اور کبھی کسی پل کہیں دو گھڑی
مہمان بن کر
عمر بھر کی رفاقت کا
احساس دلا کر
کسی دوراہے کے
ایک کونے پر

پڑے ہوئے چھوٹے تنکے کی مانند
اپنے وجود کی تنہائی میں گم
کبھی سیاہ کبھی سفید
تو کبھی گلابی رنگ میں ڈھل کر
رخساروں پر بہنے والے
کو بھید رکھتے ہوئے
میرے خواب چرانے والا
وقت رخصت
میری داہنی ہتھیلی پر
اپنی سانسیں رکھ گیا تھا

○○○○○

حدتِ احساس

جب بھی نکلوں میں چھاؤں کی جانب
چھوڑ کر جلتی بجھتی خلقِ خدا
بن کر زنجیر میرے پاؤں سے
کوئی جذبہ لپٹنے لگتا ہے
ہر طرف کوئی حدتِ احساس
شعلہ بن کر بھڑکنے لگتی ہے
میرے رستے میں کھینچ کر دیوار
آگ کی مجھ کو روک دیتی ہے
اور میں اپنے جسم کا سایہ
دھوپ کے سر پہ ڈال دیتی ہوں

○○○○○

نوحہ

سیاہ سفید گلابی پیلے چہروں والے
سانس لیتے ہیں جان اجسام
مختلف شاہراہوں پر گامزن
اپنے قدموں کی آواز پیدا کیئے بِنا
چلتے جارہے ہیں
یوں لگتا ہے جیسے یہ کسی دوسرے سے نہیں
خود سے بچھڑ چکے ہیں
نظریں کسی کی متلاشی ہیں
پُر ہجوم ماحول میں
ہر شخص تنہا تنہائی سے لڑ رہا ہے
رنگ بھرنگے بالوں والی دوشیزائیں حسینائیں
اپنے ادھ ڈھکے جسموں کی نمائش کرتی
کوچہ و بازار کی زینت ہیں
ان کی چہروں کی سلوٹیں
اور رنگین میک اپ میں چھپی اداسی کی ادا
چیخ چیخ کر کہہ رہی ہے کہ

کوئی تو ہو جو گلے لگا کر
ہونٹوں کا بوسہ لے کر یہ کہے
میں تیرا ہوں
اور کہیں شوخ و چنچل حسینہ اپنے عاشق کے گلے گئی
بوس و کنار کے نشے میں دنیا سے بے خبر
خود سے بھی لا پتہ ہے
محبوبائیں بننے کے شوق میں اپنی اہمیت بھولی
وقت کے میدان میں ناچتی گڑیائیں
بے مول بکتی ہیں
سبز نیلی پیلی کالی بھوری آنکھوں کی گہرائی
اور اس گہرائی کی اداسی بے زبان ہے
مگر بتا رہی ہے کہ سپنے سارے بکھر گئے ہیں
تن کے اجلے من کے میلے لوگوں کے اس میلے میں
سبھی کھو گئے ہیں
شاید اپنی منزل کے اصل رستے سے بھٹک گئے ہیں
مذہب و مسلک کی قید سے بہت دُور
کہیں سگریٹ کے کش لگاتے دھوئیں میں اڑتے دکھ ہیں
تو کوئی مے کی مستی میں قہقہے لگاتا دامن
جھاڑنے کی ناکام کوشش میں ہے

ہر دامن کی نئی کہانی اور اس کے دکھ نرالے ہیں
کہ دکھ خود اپنے دکھ ہونے پہ دکھی ہے
کسی سر کو کندھا میسر نہیں
رونے کو سینے سے لگنے کو سینہ میسر نہیں
ہمدردیاں تو ہیں وفائیں نہیں ہیں
قربتیں تو ہیں محبتیں نہیں ہیں
آنسو بہانے والی آنکھ کو دلاسہ دینے والی
آوازیں بھی گم گئی ہیں
تن و من کی آگ کو ٹھنڈک میں بدلنے کو
چند لمحات میں بازو کا سرہانہ آج میسر ہے تو کل نہیں
یہ تقدیر ہے یا خود تدبیر بنائی گئی ہے
یا خلقِ خدا ستائی گئی ہے
لبوں پہ مسکراہٹ ہے
مگر آنکھوں میں خوشی نہیں ہے
جانے یہ مسافر کس منزل کی طرف رواں ہیں
ہنستے چہروں کے دکھ عیاں ہیں

○○○○○

انتہائے محبت

مجھ سے میرا
پھول سا من
مانگنے والے
کیا انتہائے محبت نہیں
تیری جو سوچ مجھے سوچتی ہے
اس نے میری سوچ پر
تیری ذات کا
پہرہ بٹھا دیا ہے

○○○○○

تریاقِ محبت

ہاں یہی محبت ہے
کہ!
آنکھوں سے آنسوؤں کی
بغاوت!
اچھی لگتی ہے
مگر!
جذبوں میں سچائی نا ہو تو
تریاقِ محبت!
فصل وفا نہیں اگتی

○○○○○

پریت کی ڈور نہ ٹوٹے

اس نے کہا
رونا ہے
میں نے کہا رولو
کہنے لگا
کندھا چاہیے
میں نے کہا حاضر ہے
کہنے لگا
دُور تک ساتھ چلیں
میں نے کہا چلتے ہیں
کہنے لگا
کیسے یقین کرلوں
ساتھ چلیں گی
میں نے کہا
اس بار ساتھ چلنے کی
میں نے اپنی قسم کھائی ہے
اور میں رودی

○○○○○

سچ ہے

مفروضات
تجربات
مشاہدات
سنی
ان سنی
کہی
ان کہی
سب ناکام کسوٹیاں ہیں
''محبت'' کے آگے
کیا تم نہیں جانتے
''محبت'' کوئی ''مکینیکل'' کام نہیں

○○○○○

بخیہ گری

آوارہ سوچ کہاں سے کہاں جاتی ہے
پر پھیلائے اڑتی ہی رہتی ہے
کبھی بادل بن کر
کبھی ہوا بن کر
گہرائی اتنی کہ سمندر تک پہنچے
یہ آوارہ سوچ کسی بے وفا کو باوفا کے آنچل سے باندھ دیتی ہے
کہیں ان کہے لفظوں میں چھپ کر
انجان بن جاتی ہے
بن بلائی مہمان یہ آوارہ سوچ
پربتوں، پہاڑوں، وادیوں اور صحراؤں کا سفر کرتی
رات کے اندھیرے میں
پائل بن کر کھنکتی ہے
اور یادوں کے دریچے کھول دیتی ہے
ان دریچوں سے آنے والی ہوا

بے دھڑک کمرے کے سب پردے ہلا دیتی ہے
سچ تو یہ ہے دھڑکنوں کو تیز کرتی ہوئی
خاموشی اور اداسی کا رشتہ اک بناتی ہے
سوچ کے آڑھے ترچھے رستوں کو ماپنے کی خاطر
دھڑکنیں دھمال زدہ نہ ہو جائیں
یہی سوچ کر میں نے اپنے
خوابوں کی بخیہ گری کی ہے

OOOOO

گماں

زندگی کے بے منظر رستوں پر
لمبے سفر کی تھکان لئے
کسی بوڑھے گھنے درخت کی چھاؤں میں بیٹھے
دُور کھڑے برف پوش پہاڑوں کا نظارا کر کے
آنکھوں کی جھیل سے
آنسو آبشار بن کر بہہ نکلے تھے
جب خیالوں سے بے پہرہ ہو کر
لمبا سفر باندھا
ان اجڑے بکھرے لمحوں کو ترتیب دیا
جو زندگی بانٹ چکے تھے
اس بانٹی ہوئی زندگی میں
تم بھی ایک حقیقت ہو
مگر اس کے کسی ورق پر
اپنا نام لکھنے کا مت کہنا

کیونکہ یہ ناممکن ہے
تم وقت راحت نہیں ہو
صرف اک مسافت ہو
جو تیرے میرے درمیان بہت لمبی ہے
نہ کاٹ سکتے ہیں نہ ناپ سکتے ہیں
یہی اک اذیت ہے
جو راکھ ہو کر بھی راکھ نہیں ہے
تو ایسا کرتے ہیں گماں کے دھاگے سے
تم میرا اور اپنا دل باندھ دو

OOOOO

سرِ راہ

تیرے ہونے کا گماں ہوتا ہے
جب دروازے پہ ہوا کی تھپک ہوتی ہے
جھولتے درخت اور ان کے گرتے پتے
ہوا کے دوش پر زمین پر بھاگتے
کاغذ بے جان پتے اور سوکھی ٹہنیاں
ایک دوسرے کا دکھ
بخوشی بانٹتے اڑتے جا رہے ہیں
اچانک ٹک ٹک ہوئی
بارش کی بوندیں گرنے لگیں
سب نے دم سادھ لیا
سب بھیگ گئے
جیسے جہاں سب رستہ طے کر رہے تھے
وہیں جم گئے راہ کا رزق ہوئے

راہ گزاروں کی ٹھوکریں ان کا مقدر ہوئیں
خوشنما منظر پیش کرتے
کاغذ، پتے، ٹہنیاں
کیچڑ بنے
خوشی ختم ہوئی
بے بسی کی داستاں
سچائی بتا رہی تھی
کہ سرراہ چلنے والے ہمسفر نہیں ہوتے
تم بھی سرراہ ملے تھے

○○○○○

میدان خالی ہے

اے میرے پہلو کے ساتھی میرے ہمسفر و ہمزاد
میں آب خز ہوں آب زر نہیں ہوں
سن ذرا
جذبات نے کھر درے پن کے بے رنگ لباس پہن لیے ہیں
خوابوں کا الم ناک سناٹا
صحرائی وسعتوں میں ڈھل کر
سمندر کی گہرائی میں جا گرا ہے
لفظوں کی رنگین طشتری الٹ کر
کسی تازیانے کی نوک پر رقص کناں ہے
دھڑکنوں کی بے زبان دھمال
رشتوں کی بھیڑ میں تنہا ناچ رہی ہے
دریا بنی گہری آنکھیں آنسوؤں سے دھل کر
سر بستہ کمر باندھے نئے خوابوں کی ادھیڑ بن میں
اپنی چمک برقرار رکھنے کی کوشش میں ہیں

کسی گمنام سفر پہ رواں کسی مسافر کی طرح
یہ آنکھیں دائیں بائیں کچھ تلاش کرتی زندگی کی
خونخوار آنکھوں میں جواب دہ نظروں سے دیکھ رہی ہیں
خیالات وجذبات کی آندھی کے بےلگام گھوڑے
کسی اجنبی منزل کی طرف گامزن
اڑتے لطف اندوز ہوتے بھاگے جا رہے ہیں
اے میرے ہمدم کچھ دیر ٹھہرو تو سہی
تیری دھڑکنیں میری دھڑکنوں میں رواں ہیں کہ نہیں
رکو آگے بڑھو
ہاتھ سے ہاتھ ملاؤ
سرد جذبوں کو محبت کی تپش کا دلاسہ دو یا بوسہ دو
دیکھو چہار جانب
یہاں تم ہی ہو
باقی میدان خالی ہو

OOOOO

دریچہ

خیال کے حسین باغوں سے ایک دریچہ کھلتا ہے
کچھ مہ و سال یاد آتے ہیں
میں اپنے بچپن میں لوٹ جاتی ہوں
شرارتیں ہیں، قہقہے، مسکراہٹیں
اور نادانیاں ہیں
جہاں ممتا کی چادر ہے
شفقت بھرا لہجہ، محبت بھرا سینہ
میں اس سینے پر سر رکھ کہ
کئی خواب دیکھتی ہوں
میرے خوابوں کی ڈور مضبوط
کرنے والے میرے بابا
مسکراتے دیکھتے ہیں
جن کے لبوں پر نامِ احمدؐ ادا ہوتے ہی
آنکھیں نم ہو جاتی ہیں

میرے ننھے سوالوں پر
ان کے جواب طول پکڑتے ہیں
زندگی کی رعنائیوں سے کٹھنائیوں تک
رستوں کی دھول کو خار
اور کلی کو پھول بن کر بکھر جانے تک
آسمان کی بلندی سے سمندر کی گہرائی تک
آشنائی سے عشق تک
عذر سے اعتراف تک
حیرتِ خیال سے محبت تک
سوچ سے خیال کے لمبے سفر تک
غلطی سے آزمائش تک
ہر جگہ کا معیار و وقار بتاتے میرے بابا
علم و عرفان کا گھر لگتے ہیں
وہیں میری جنت مجھے
صبر و رضا اور وفا کا سبق پڑھاتی
کسی صوفی و درویش جیسی لگتی ہے
زندگی ویسی تھی جیسا اس کا چہرہ دیکھنا دونوں نے مجھے
پھر وقت کی آندھی چلی
وقت کے سب ادوار کے رخ بدلے

بچپنا کھو گیا تو
جوانی مشقت کی راہ دھول ہوئی
تو بڑھاپا ناچتا نظر آیا
اپنے باپ کا لہجہ بن کر
میں خود ہی اپنی ممتا بن کر
اپنے گھر کے درو دیوار میں
ان کے نقش بنا لیتی ہوں

○○○○○

انی

مرجھائی شام کے سائے
پریشاں بوئے گل
آوارہ صبا کا بوسہ لے کر
اداسی کے سینے پر پاؤں رکھتی
آگے بڑھ گئی
جہاں جدائی کے ظلمت کدے میں
آہوں کے پتھریلے اہرام شکستہ پاء
لہولہو خوابوں کی داستاں سنا رہے ہیں
یوں لگتا تھا جیسے
برف زدہ سرد جذبوں نے چپ کی چادر اوڑھ لی ہے
مگر عمر رواں کے سارے حسین پل قیمتی و نایاب ہیں
جہاں ہوا کے دوش پر ناچتے گل رنگ آنچل
خون آلود سناٹوں کی چیخ و پکار بنے
کتابِ وقت کے اوراق الٹ رہے تھے کہ

بابِ روح کھلا
اس کی گہرائی کا احساس ہوا
جیسے ماپنے کو صحرا نہیں
پیمانۂ صبرِ دل چاہیے
کیونکہ خیال کی مسافتوں کے تسلسل میں
روشنی اور سائے میں
حائل خواہشوں کا وجود
دیمک زدہ لمحوں نے چاٹ لیا ہے
زیست ہے کہ جبر ہے کوئی
جو کسی نیزے کی انی لگتی ہے

ooooo

بلندی

میرے وجود کی فصیلوں میں
شگاف ڈالنے والے
تیرے وصل کے تمام لمحوں کو
تسبیح کے دانوں کی طرح پرو رکھا ہے
ان لمحوں میں جب کوئی ایک لمحہ
ستارے کی صورت چمکتا ہے تو
دل کے مکتوب خانے میں
تیرے لمس کی اطلسی پردے لہرانے لگتے ہیں
تجھ پہ اعتماد کی اندھی کھائیوں میں
جدائی اور ہجر کی حرب و ضرب میں
رضا و جزا کے میدان میں
امتحان میرا شجر اور صبر اس کا ثمر
جو میرا پاسبان اور میرا نگہبان بھی ہے
اسے تیری نگہبانی میں دیا تھا

مگر تو کہ میرے درد کے کوہستانوں کی وسعتوں سے بے خبر
ان کہی کہانیوں کے بھید میں
جو جذبات کی کھیتی کا حاصل ہیں
ان لفظوں کی برہنہ شمشیر
جس میں جرات اور ہمت نہیں کہ
وہ خون کی ہر بوند جس پر ہجر کا لرزہ طاری ہے
اس کا سر کاٹ سکے
مگر یہ روح و بدن کا خرابہ بھی عجیب ہے
اپنے گرد روز نئی فصیل بنا لیتا ہے

ooooo

سوزِ نہاں

ویراں شب میں بجھتے چراغوں کا دھواں
جس کا سوزِ نہاں عذاب جاں بھی اور درد اس کا عیاں بھی ہے
کٹاری جیسی خامشی اسرار خیز اندھیرے میں
صرف سانسوں کا شور سنتی رہی
جس کی دہلیز پر سوچوں کے حروف پرنم کھڑے تھے
جو لرزتے خیالوں کے صحرا میں بھٹکے پیاسے مسافر کی طرح
خود ہی خود سے الجھ رہے تھے
مقتل روح کے سارے راز اور ان کے نہاں خانوں میں
ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے
جب یقین اور بے یقینی کے دوراہے پر
تاریکیاں رقص کرنے لگیں
تو ہوائیں تعزیہ دینے لگیں
کیونکہ جذبات کے طلسم خانے میں مکتوبِ محبت کے
جلتے اوراق پہ خاک ہونے والے الفاظ آخری سانسیں لینے لگے

تو لاشعور کے خاموش سمندر میں
لہروں کی دائرہ بنتی گھنگھرو آواز کی نرم لے
سسکیوں کو نا امیدی کے گرداب سے نکال لائی تھی
تب اک نقرئی عکس خوشبو بن کر
سانسوں کو مہکا گیا تھا
جب تیرے احساس کا وجود
میرے وجود کو از سرِ نو آباد کرنے کے لیے
میری روح میں سما گیا تھا

○○○○○

ذات کا معبد

ذات کے معبد میں کچھ صدائیں بلند ہوئیں
ہواؤں میں خلاؤں اور گھٹاؤں میں اڑتے
الم گزیدہ پیغامات اور اذیت زدہ لمحوں کی قبریں بناتے ہوئے
زندگی اور موت کی جلتی بجھتی شمع جس کی لو میں
ارواح و اجسام کے کھیل میں
قبائے پاکیزگی کو آگ لگی
خواہشوں کے دشت میں بھٹکتی
برہنہ امیدیں روتی رہیں اور قہقہے لگاتی مجبوریاں
اپنی جیت کا جشن مناتی رہیں
سہمے پرندے ہواؤں کے نوحے سنتے رہے
اور اپنے حصے کا رزق لینے اونچی اڑان بھرتے
تو کبھی زمین بوس ہوتے رہے
پانیوں پہ لکھی بے معنی تحریر
جس کے مٹنے کا یقین بھی ہے

اور دکھ بھی الگ
زیست کی خوش نمائی کے جالے بنتے
تانے بانے الجھتے جا رہے ہیں
سانسوں کے دہکتے الاؤ میں
ہجر کی تپش میں تیرے لمس کا خیال
غموں کے سورج کو ٹھنڈا کرتا
آگے بڑھ رہا ہے
رخساروں پہ ناچتی اداسی
حسرتوں کے نوحے گنگناتی اڑتی جا رہی ہے
اور قافلے رواں رستوں پر بھاگتے جا رہے ہیں
رستے ان کے قدموں کی خاک بن کر ساتھ جاتے تو ہیں
مگر لوٹ کر نہیں آتے

○○○○○

خود فراموشی

میرے آنگن قلبی کے درخشاں ستارے
حُسنِ یوسف سے مسخ کیئے گئے مٹی کے پتلے
اندھیرے میں میرے قدموں کے نشاں ڈھونڈنے والے
مجھے میرے ہونے کا احساس دلانے والے
دھندلکوں سے اجالوں میں آؤ
کہ تیری محبت کا حُسن و جمال
چاند کے نور کے ہالے کی طرح ہے
تیرا فکر و عمل، گماں و یقین
کے درمیان ایمان بن کر
میری روح پہ نقش ہو گیا ہے
میری نظروں کے سوال جانتی ہوں
تجھے بوجھل کرتے ہیں
اور میری پلکوں پہ رکے آنسو تجھے سوچ کے
سمندر میں غوطہ زن کرتے ہیں

مگر تیری چمک اے نور کے ہالے
میری آنکھوں کو خیرہ کرتی ہے
سانسوں کا اتار چڑھاؤ
زیست کا آئینہ بن کر
تیری ریاضت اور استقامت کے دلنشیں منبر کو وسیع کرتا ہے
دل کی مسند پر بٹھانے والے سنو
مجھے اپنی روح کی جائے نماز پر
نماز عقیدت ادا کرنے دے
تیری دعا کے کشکول میں
جہاں ندامت کے آنسو گرتے ہیں
وہیں میری ردا بھی
رحمت کے پانی سے بھیگ جاتی ہے
تو میری سانسیں بحال ہوتی ہیں
تیری نگاہوں کا پُر امن وہ رستہ
جہاں میرا تخیل سفر کرتا ہے
اس نے مجھے میری نظر میں معتبر کر دیا ہے
تیرے جذبۂ ایمانی کے وضو کے چند قطروں نے
میرے بوجھل پن کو دھو کر تازگی میں بدل دیا ہے
میری تھکن اور روح کی شکنوں کو ماپنے والے

میری روح کے لہولہو اوراق پر چاہتوں کی
تصویر بنانے والے
سن ذرا
محبت کے باب میں ایسا حرف رقم مت کرنا
جو میرے خیال کی بزم کو
رزم گاہ میں بدل دے
کرب کے نہاں خانوں کو
ٹٹولنے کی کوشش بھی مت کرنا
گم گشتہ درد بھرے لمحات کو آواز مت دینا
انہیں تہہِ تیغ صبر رہنے دو
دل کے کسی ویران قلعے کو آباد مت کرنا
اس کارِ ناممکن میں تمہیں خود کو فراموش کرنا پڑے گا
اے میرے جمالِ جمال
میرے درد کے ساتھ میرے لیے تیری خود فراموشی
مجھے اذیت دیتی ہے

○○○○○

زہر خند

جب شہر کی ساری آنکھیں سو جاتی ہیں
خوشگوار رتوں کی سرد راتوں میں سیاہ قباء
پہنے خوف کی حدیں پار کرتے
دنیا فتح کرنے کی دھن لیے
جذبوں کی آنچ پر پکنے والے
جن کی تیز چلتی سانسیں
سوچ کے گھنے جنگل میں گم
خواہشوں کو سوکھے پتوں کی طرح
پاؤں تلے کچلتے ہوئے
جن کے رخساروں پہ رواں آنسو
وقت سے پہلے ملنے والی سزا لگتے ہیں
دماغ کے صحن میں ٹہلتے لفظوں کے وجود
دلنشیں اور چمکدار ہوتے ہوئے
آنکھوں کی پتلیوں کو حلقوں کی سیاہ چادر میں لپیٹ کر

سراپاءِ سوال بن کر الجھنوں میں جواب دیتے ہوئے
دھڑکنوں پہ بھاری گزرتے ہیں
تب صدائے من
خاموش لمحوں کی بولتی آنکھیں
اور ان میں لہراتی تھکن
بوجھل اداسی کے پاؤں
زہر خند لہجوں سے چھڑاتی ہوئی
سرگوشیاں کرتی
دلوں کے قلعے فتح کرتی
اس پار چلی جاتی ہے
جہاں حقیقتوں کا تصور مجازی نہ ہو

○○○○○

مشیرِ جنگ

میں نے خود سے کچھ کہنا تھا
سو! رُکی
مگر کہہ نہیں پائی
میرے دل اور میرے درمیان
میرا دماغ مشیرِ جنگ بھی ہے
اور میری سوچوں کے قلعے کا محافظ بھی
جو تیرے ہجر کے بعد میرے ٹوٹ جانے پر
دوبارہ میری تعمیر کرنے کی کوشش میں ہے
دماغ دل کی جانب اپنی سوچ کی
تیز دھار تلوار بڑھاتا ہے
اور میں اپنی گرفت میں لیتے ہوئے
دل کی طرفداری کرتی ہوں
دماغ ضد کے میدان میں
وسوسوں کی تال پر دھمال ڈال رہا ہے

تو دل عاجزی اور فقیری کی لے پر
رقص کناں ہے
اپنی ارضِ ضمیر پر دونوں کو
مست و بے خود چھوڑ کر
دُور کہیں
میں انا کی لاش دفنانے نکل آئی ہوں
جسے میرے دل اور دماغ کی
مشترکہ جنگ نے مار ڈالا تھا

○○○○○

شنگرفی

دل کی بنجر زمین پر
وہ خوشگوار لمحہ
بارانِ رحمت بن کر برستا ہے
جب یادیں کروٹ بدلتی ہیں
اور میں محبت کی ثنا خوانی کرتی
وقت کی ان گنت گتھیوں کو سلجھانے کی کوشش میں
ہوش وخرد کے زینے بناتی
ہواؤں کے دوش پر
حقیقتوں کا منظر نامہ لکھتی ہوں
جس پر لہو رنگ کا پردہ ہے
جہاں خود کشی جذبات اور امیدیں اندھے محسوس ہوتے ہیں
پس منظر کے منظر کی لوح پر
سہمی دھڑکنیں اپنا عکس
نقش کرنے میں مصروف

اسرارِ کائنات میں مگن
ماتم کناں طوفانوں کی سرکشی دیکھتی
صدائے کُن پر کان لگائے بیٹھی ہیں
مہ وسال کی بے رحم ساعتوں
میں یوں بکھرتی سمٹتی سلگتی اور مہکتی
دھڑکنیں سانسوں سے اپنا بندھن جوڑے ہوئے
شنگرفی گلستان کی دہلیز پر
من چاہے گیت گاتی ہیں
خوابوں کی رنگین فصیلوں پر
محبت کے نقش و نگار بناتی
کسی اجنبی چہرے کا عکس کندہ کرتی ہیں
مگر وقت کا پتھر اسے زمیں بوس کرنے میں اک لمحہ لگاتا ہے
اور دھڑکنیں میرے کمرے میں
ٹوٹ کر بکھر جاتی ہیں

ooooo

وی آئی پی

ظرف کی بلندی سے
میری گہری سوچ سے
دُور اُس نے
کوسوں دُور
وہم سے، یقین سے
پرے مجھے
بھرم کے آسمان سے
سب پروں کو نوچ کر
مجھے تڑپنے کے لیے
خطۂ زمین پر
اس نے پھینک ڈالا ہے
سُرخ سا آبِ رواں
ہر طرف میری نسوں میں جیسے
آ کے جم گیا

سارے منظر
رفتہ رفتہ آنکھ میں دھندلا گئے
کٹ گئیں رگیں سبھی
سوچ کی رعنائیوں کے رنگ
پھیکے پڑ گئے
اس نے جب یہ تلخ لہجے میں کہا
"نہیں ہو تم
وی آئی پی"

OOOOO

خود آگہی

میری روح کے روشن میناروں کو چمک دینے والے
اے میرے علیم اے میرے خبیر
لمحوں کی سنسناہٹ میں مجھے کچھ تو خبر دے
کہ یہ رستہ کس طرف کو جاتا ہے
جہاں درد کی طنابیں لمبی ہیں
آسمان دل کے ستارے دھندلے ہیں
تو میری انگلی پکڑ کر جستجو کے ساحلوں پہ لے آیا ہے
سن ذرا یہاں مجھے میرے سانسوں کے شور کی ضرورت ہے
مگر سانسیں تو تھمتی جا رہی ہیں
یہ من کا کیسا جیل خانہ ہے
جہاں قیدی آزاد ہے
مگر کسی کا آشیاں بچانے کو
خود تنکا تنکا بکھر گیا ہے
اے میرے مسجود

میں صدیوں کا سفر لمحوں میں طے کر آئی ہوں
میرا خود آگہی کا ڈر جب
میرے سجدوں پہ حاوی ہونے لگتا ہے تو کسی
ہارے ہوئے جنگجو کی طرح
تمام جذبوں کو تھکی ہوئی
جاگتی رات کی دہلیز سلا دیتی ہوں
جو خواب کے گہرے جنگل میں
کسی اجنبی ہاتھ جس کی انگلیاں کئی انگلیوں میں پیوست ہیں
اسے تھام کر چل پڑتے ہیں
میں اس منظر سے آنکھ چرا نہیں سکتی مگر
اپنے شعور ذات پر اندھیرا کرتی
من کے اندھے پن پر
اپنے مدہم یقین کا آنچل ڈال دیتی ہوں

○○○○○

بدصورتی

چہروں کی تحریروں میں ہاتھوں کی لکیروں میں
خود پرستی، انا پرستی اور خود فریبی کے غار میں
اپنی ذات کے بت خانے میں
کئی محرابوں والا قلعہ
جس کے باہر اس کی زنگ آلود دیواروں سے لگے لوگوں کی
سسکارتی آہیں سوچیں اندیشے اور اضطراب
کے نقش پاءِ زیست کے دشت میں
مجبوریوں کے ان گنت چہرے
اور خواہشوں کے بھنور لئے
سوچ کے کسی نہاں خانے میں
خیالات کی فنا خیز آندھی میں
پھنس گئے ہیں
کسی کی راہبری اور راہنمائی کا
سوچنا بھی اک احساس زیاں ہے

فضول شہرت کے حامی فضول نفوس
درویشوں کے ہنر سے فائدہ اٹھاتے
ان کی اجرت پہ اپنے محل بناتے
اپنی قبریں تنگ کرتے آگے نکل رہے ہیں
درویشوں کی پیڑوں جیسی خامشی
صحرا کے سناٹے جیسی ہے
مگر ان کا وجدان
ان کی آنکھوں کی زباں بن کر بول رہا ہے
نازک ہوا کے جھونکے سے ہلتے ہوئے پتے کی طرح
ان کے لبوں کی ہلکی جنبش
اور آنکھوں سے گرتے موتی
بے بسی کی داستان حیات سنا رہے ہیں
مگر انا کے بہتے دریا میں ڈوبے
غرور و تکبر کے غوطے کھانے والے
اخلاص کی بدصورتی کی چادر میں لپٹے دفن ہو چکے ہیں

ooooo

جنگ

من کی بھٹی میں جلتے شعلوں جیسے سانسوں کی گرم ہوا
بے وفائی کا ترازو پگھلا نہیں پائی
قضا ہوتے جان لیوا خوابوں کا دھواں
خواہشوں کو خاردار رستوں پہ گھسیٹا ہوا من
کے زندان سے نکال لایا تھا
دل کی عدالت کی سردمہری
اور سوالات تہہ در تہہ نکل رہے تھے
اور جب ترازو برابر ہونے والا تھا
فریب کا پرندہ اس میں آ بیٹھا
جو دل کے گلستان کے
خوبصورت پھول کی پتی پہ
بیٹھ کر یہ تماشہ دیکھنے والا تھا
حوصلے کی تلوار نے
اس کے پر کاٹ دیئے

ضمیر لہولہان ہوا
نڈھال ہوا پھر بحال ہوا
محبت کے ہاتھوں نے جب
اس کا ہاتھ تھاما تھا
اس وقت وہ جذبات کی جنگ میں ہار کر
پیچھے ہٹنے والا تھا

○○○○○

اک لڑکی

جلتی آنکھوں کے روشن چراغوں کی لہراتی شفق
زیست کے تانے بانے بنتی
پھول کی پنکھڑی جیسی نازک لڑکی
دل میں کئی ارمان لیے
من کے قید خانے میں سکونت اختیار کئے
خوابوں اور رواجوں کی
حرب خیز طوفانی لہروں کا سامنا کرتی
من ہی من میں
محل محبت بنا بیٹھی
زمانے کی دلدل میں اپنا آپ مسمار کرتی
کس رستے پر چل پڑی تھی
خود کو بہر بیکراں کے حوالے کر کے
انجان سفر کی راہی بنی
بوجھل آنکھوں کے کو خواب لیے

اداس فضا کے نغمے سنتی
من آنگن میں خوشیاں رقص کرتی تھیں
خواب جشن مناتے تھے
پھر منظر سارے بدل گئے
سارے خواب ٹوٹ گئے
وہ اک نازک سی لڑکی
خود ہی خود سے ٹوٹ گئی
شاید خود سے روٹھ گئی

○○○○○

دھول

اپنی ذات پہ اتنا یقین
جتنا اسم اعظم کی پا کی اور سچائی پر
خود پہ بھروسہ لے کر
کچھ کارواں سفر پہ نکلے
ان کے زادِراہ کی چھن چھن محبت کی آواز
مسکراہٹوں کے بے لگام گھوڑے
صدیوں کی مسافت طے کرتے
اندیشوں کے جال بنتے
مگر پرامید راہوں پر ایک دوسرے کا سہارا بنے
نگاہوں کو نگاہوں سے ملاتے
درس محبت دیتے
داستان سفر عام کرتے جاتے
دھڑکنوں کے بازار میں کچھ سانسیں
گروی رکھ کر

رات کے سرمئی آنگن اور چاند کی چاندنی کو گواہ بنا کر
کچھ عہد و پیمان کرتے
وقت کی بھٹی کی کوکھ میں پلتے
بھوک وافلاس زدہ اجسام کا جائزہ لے کر
راحت جاں کو بے بسی کے آتش دان میں ڈال کر
خوابوں کے نقوش مٹاتے
بے قرار رستوں پر منزلوں کے نشاں ڈھونڈ رہے ہیں
کہ ان کی ننھی دنیا پر دھول کے بادل چھا گئے ہیں

ooooo

بنجر پن

خواہشوں سے لتھڑے ذہنوں کی زمین کا بنجر پن
کالے جادو کے جھوٹ کی طرح پھیل کر
سچائیوں کے گلستان اجاڑتا ہوا
ہر آنگن کو سنسان کر رہا ہے
روایات اور اخلاقیات راکھ کا ڈھیر بنتی
اپنی آخری سانسیں لینے پر مجبور
وقت کے نفوس پر کیسا جال ڈالا ہے
جس میں اخلاص والے بھی پھنسے ہوئے
مرغ بسمل بنے درازیٔ عمر کی دعا مانگ رہے ہیں
مال وزر کی چکی میں پستے ہوئے حسن وعشق بھی
اپنا جمال کھو چکے ہیں
پھلوں کی مٹھاس اور پھولوں کی خوشبو بھی
اس بنجر پن کی نذر ہوئی ہے
آہوں سسکیوں ہچکیوں کا طوفان تھم نہیں رہا

مگر مہربانی اور غمگساری کی ستم ظریفی تو دیکھو
وہ کسی پر ٹوٹے پرندے کی طرح
ارمانوں کی دیوار سے لگی
اجڑے گلستانوں کا تماشہ دیکھ رہی ہیں
بھوک روتی ہے اور صاحب زر کا سینہ غرور سے تن جاتا ہے
بھوک کے کہساروں کے میدانوں میں
ناچتے ننھے قلندر اسے نظر نہیں آتے

ooooo

بستیاں

کچھ سرد لہجوں کی چبھن
دل کی تمام گلیوں سے ہوتی ہوئی
آرزوؤں کے پل بناتی
خیالوں پہ ضربیں لگاتی
آنکھوں کی مسافت کے رستے طے کرتی
جسم فانی سے روح لافانی تک
بے جہت آوارہ ہوا کی طرح
ہر شے کو روندتی چلی جاتی ہے
روحوں کے بندھن میں یہ اجسام کا کھیل
کہاں سے آیا ہے
جہاں ضمیر کی کھڑکیاں ٹوٹ چکی ہیں
خواب اوڑھے ردائیں بین کرتی ہیں
تارتار دامن راہوں کی خاک
چھاننے پر مجبور ہیں

اور مجبوریاں انہیں
دیکھ کر استہزائیہ مسکراتی
اپنے حصار میں لیتی
من کے حجروں کے مینار گراکر
روح کا سکون بر باد کرتی
ذہن کے خالی دریچوں میں
بے یقینی بھر کر
دل کی بستیاں اجاڑ دیتی ہیں

OOOOO

بے بصر دارالامان

اپنے تصرف میں چند سانسوں کی امانت لیے
محبت سے عاری جذبوں کو دفنا کر
شبنم کے منجمد ان گنت قطروں میں
اپنا عکس بصیرت دیکھتے ہوئے
خیالات کی حسین پوشاک پہنے
صبح کی پہلی پھوہار سے اپنے من کی
اجلی دیواروں پر اس کی ٹھنڈک سے
اپنے شعور اور وجدان کے روزن کھلتے دیکھتی ہوں
تو دنیا کے بے بصر دارالامان میں
جہاں انصاف کی لاش پر
گونجتی خاموشی اور دُور تک پھیلی اداسی
ناامیدی کے بے کنار صحرا
عزائم کی فصیلوں کے اندر سے
حقیقی جذبوں کی وحشت لیے

لوگوں کی فلک شگاف آہیں
فلک تو سنتا ہے
زمین والے بہرے سن نہیں پاتے
سلگتے نغموں کی بازگشت میں بھوکے پیاسے لوگ
الجھنوں کے ریشم کی گرہیں کھولنے کی کوشش میں
خودداری سے خودآگاہی کا سفر طے کرتے خوشی کی
لہروں کی جل تھل ڈھونڈ رہے ہیں
مایوسیوں کا صندوقچہ صبر کے سمندر میں ڈال کر
ہر نفس بھاگتے لمحوں کو اپنے کندھوں پر اٹھاتی
رات کی تنہائی اور اداسی کی سنسناہٹ میں
حسین آنکھوں والے لوگ حسین خواب لیے
دنیا کے دارالامان میں بے اماں دیمک زدہ پیڑ کی طرح
ایک لمحے میں گرنے والے ہیں
ان کے احساس کا غم مجھ سے بغل گیر ہو کر رو پڑا ہے

OOOOO

تدفین

غم بھی میری طرح شکستہ دل ہو کر
میرے شانے سے لگ کر بیٹھ گیا ہے
یہ بھی روز جنازے دیکھتا ہے
ابھی ان کی تدفین ہو نہیں پاتی کہ
یہ نیا روپ لے کر پھر جی اٹھتے ہیں
مجھے ان پر رحم آتا ہے
دل چاہتا ہے ان کو گلے لگا کر دلاسہ دوں
اور ان رشتوں کی بدصورتی ختم کر دوں
ان کی کٹاری جیسی زبان میں شیریں الفاظ بھر دوں
کیونکہ اس کٹاری سے
خوابوں خواہشوں کرداروں
احساسات
اور امنگوں کے سر کٹ کر ان کے جنازے نکلتے ہیں

○○○○○

سرگوشی

ہوا کی سرگوشیاں سن کر
میرے کان تھک چکے ہیں
اور کانوں کی تھکن میرے گالوں پر
سرخی کی صورت عیاں ہے
سانس لیتی مٹی کے چہرے پر
بہار اور خزاں کے بنتے زاویے
کسی پیاسے صحرا کا منظر پیش کرتے ہیں
ہونٹوں کی مسکراہٹ بھی جم چکی ہے
یہ مسکراہٹ بھی عجیب ہے
کبھی ناگوار کبھی خوشنما
دیمک زدہ خوابوں کو نمایاں کرتی ہے
یہ مسکراہٹ بے نام ہو کر بھی
کئی جذبوں کے نام دیتی ہے

سنو!

سوچوں اور دھڑکنوں پر

تیرے پہرے

اور یادوں پر

تیری جدائی کی دھول

تیری امانت ہیں

کبھی فرصت ملے تو لے جانا

میں نے مسکراہٹ سے

دوستی کر لی ہے

○○○○○

چادر

صحرا میں اترتے دھنک رنگوں کی رنگینی
جیسی محبت کی سلطنت میں قدم رکھتے ہی
ارمانوں کے بھونچال میں
تیز چلتی سانسیں لیے
کسی کی حسین آنکھوں میں اپنا چہرہ دیکھتے ہوئے
ہلکے ہونٹوں سے کسی کا نام پکار
اپنے ہونٹ چوم لینا
انتہائے محبت ہے
محبت کے حسین محل میں
ہجر کے ظالم ستون
آنکھیں نکالے دیکھتے ہوئے
درد کی بھٹی تیار کر رہے ہیں
جس میں ارمان جل کر

اپنا وجود کھو چکے ہیں
اور بے بس کی چادر نے
تمام رنگین جذبوں اور خوابوں پر
ایسے ضبط کی چادر ڈال دی ہے
جیسے برفباری ہر چیز کو
سفید چادر سے ڈھانپ دیتی ہے

OOOOO

کٹیا

دل میں جلتی خواہشوں کی گرماہٹ
جسم سے پسینہ بن کر
بہہ نکلی
ارمانوں کا محل
ریزہ ریزہ ہوا
من کا زندان
راحت جاں نہ رہا
اذیت خانہ بنا
اس کی کسی بوسیدہ الماری سے
چند جمے اوراق پر جما
دھوئیں کا کالا پن
بخت کے دامن میں اٹھنے والے
طوفانوں کے نوحے بیان کرتا ہوا
کسی فقیر کی کٹیا میں
جا سویا ہے

ooooo

داؤ پیچ

ہجر و وصال کے قصے
بہت پرانے ہیں
اس کی تاریخ دیکھو تو
آدم و حوا سے جاملتی ہے
جغرافیائی لحاظ سے بھی
دونوں پوری دنیا کے
نفوس پر قابض ہیں
سائنس کی کسی بھی کسوٹی پر پرکھ لوں
کوئی پیمانہ ان کے معیار پر
پورا نہیں اترتا
دھڑکنوں اور سانسوں میں بھی
ان کا حساب پورا ہے
وصل کی ہنستی آنکھوں نے سب کو
اپنے حصار میں لے رکھا ہے
اور ہجر نفرت کے

تیر کھا کر بھی مکمل ہے
اے وصل تیری خیر ہو
تیرا ادھورا پن بھی
خوشحال وخوشنما لگتا ہے
اور ہجر تیرا بھی بھلا ہو
تم نے سب کو اپنے
داؤ پیچ میں ڈال کر
محبت کے ایک قطرے کو
سمندر بنا رکھا ہے

○○○○○

اخلاقی غربت

ویران دہلیزوں پر رکھے
دیوؤں کی دھیمی روشنی
جس کی لَو سے
انتظار کی افسردگی عیاں ہے
لمحات کے ہونٹوں پر
پیاس کا حصار
جذبوں کی دھجیاں اڑا رہا ہے
محبت سہمی کھڑی اپنا بے جان بت
ہلانے میں ناکام اور
سانسوں کا طوفان کسی اڑیئل گھوڑے کی طرح
جسم میں تمام رستوں پر رواں
ستم کی تمام دہکتی بھٹیوں میں
کودنے کو تیار مگر
بے یقینی کی آندھی میں
شور کی خامشی کی آواز

بل کھاتے خونیں سمندر میں
اٹھتی لہروں کی زبان
دینے والے تمام جذبے بے زباں
وقت کی چرخی کو دیکھتے ہوئے
صاحبِ زر کی طرف
انگشت نمائی کی جرات بھی
کھو چکے ہیں
دنیا سرائے کی بھٹی میں
زندہ لاشے جلتے ہیں
بے بسی کی داستاں سناتے
بِن آنسو روئے جا رہے ہیں
بین کرتی ماؤں کے
دریدہ دامن کی جھریاں
ان کے چہروں پر عیاں
چراغِ امید کے روشن ہونے کے انتظار میں
بے وقت بوڑھی ہو رہی ہیں
ظلم کی برف پگھل کر
بے بس بولتی مورتیوں کے پاؤں میں
مجبوریوں کے کیچڑ کی دلدل کو بڑھا رہی ہے

امیر شہر اپنی بے بنیاد جیت کے
مخملیں بستر پر بیٹھا
ویران دہلیزوں کے بجھتے دیئے
دیکھ کر مسکراتا
مدہوشی کی گود میں پاؤں پھیلائے
ہنستی بھوک کا تماشہ

دیکھ رہا ہے
سلگتے سورج کے

سائے تلے ناچتے ننھے قلندر
کچھ امیدوں کے محل بنائے

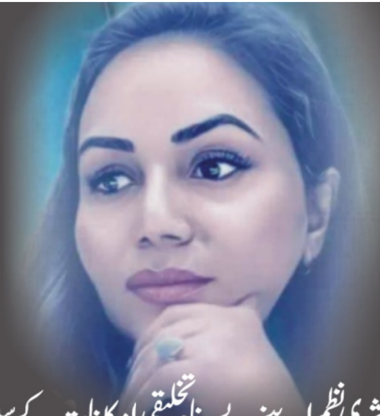
ناچ رہے ہیں
اور امیر شہر کی اخلاقی غربت پر
قہقہے لگا رہے ہیں

○○○○○

دراڑ

سنو!
میری مسافتوں کی تھکن
ادھار لے لو
مجھے ہجر کے رستوں پر
تنہا جانا ہے
اگر تھکن لڑکھڑا کر
گر پڑی تو
اس خزاں زدہ دیار میں
نظارے اس پہ قہقہہ لگا کر
ہجر اور تھکن میں
دراڑ ڈالیں گے

ooooo



اردو شاعری میں نثری نظم اپنے بے پناہ تخلیقی امکانات کے سبب الگ جگہ بنا چکی ہے۔ اکیسویں صدی کے انسان کو درپیش فکری، سماجی اور معاشی حالات کی پیچیدگی نثری شاعری میں بیان ہو کر تیز دھار ہو جاتی ہے۔ ایسا ہی شعری احساس سفینہ سلیم نے اپنی نظموں میں بیان کیا ہے۔

سفینہ سلیم وسیع المطالعہ ہیں۔ وہ معاشرے کی حرکیات پر دانش مندانہ نگاہ رکھتی ہیں۔ انہیں قدرت کی طرف سے شعری احساس ودیعت ہوا ہے۔ وہ اس توفیق میں اضافے کی کاوش بھی کرتی ہیں۔ یہی سبب ہے کہ ان کی زبان، بیان اور شعری اظہار توانا ہیں۔

”بے بصر دارالامان“ میں شامل نظموں میں انہوں نے اپنی ذات کے بطون کا سفر بھی کیا ہے اور کائنات کا بھی۔ ان کی نگاہ میں گہرائی، فکر میں صلابت اور اظہار میں شعریت ہے۔ مجھے ان کی شعری زبان کی تخلیقیت اور اظہار کی بلاغت نے خاص طور پر متاثر کیا ہے۔

سفینہ سلیم اپنی ذات، فکر اور احساس میں ایک منفرد روحانیت سے وابستہ محسوس ہوتی ہیں جہاں انسان کا قلب کائناتِ اصغر بن کر روح کائنات سے جڑ جاتا ہے۔ بعض نظموں میں وہ اپنی ذات کی گہرائی میں اُتر کر اس ماورا ہستی سے ہم کلام ہوتی ہیں جو ازل و ابد اور انسان و کائنات میں رواں دواں ہے۔ ایسی نظموں پر ایک متصوفانہ رنگ آتا ہے جو پڑھنے والے کو بہت بھلا لگتا ہے۔

میں دعا کرتا ہوں کہ سفینہ سلیم کا قلم یونہی روشنی لکھتا رہے تا کہ پڑھنے والوں کو عرفان کے راستے نظر آتے رہیں۔ مجھے یقین ہے وہ اسی طرح لکھتی رہیں گی اور ہمیں فکر و دانش کے موتی دان کرتی رہیں گی۔

شہزاد نیر

15 اکتوبر 2024

لاہور

ISBN 978-6-27-780203-5

ZP زوہیب پبلشرز
zohaibpublishers21@gmail.com
0300 7857987 / 0302 5878787